اصاغر نواز شخصیت

مولانا غلام احمد (جلہ جیم میلسی)

۱۳۶۶ھ، ۱۹۴۶ء میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے کہروڑپکا کے علاقہ "بیلاواگہ میراں پور" میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مجلس احرار اسلام کے عظیم رہنما "قاضی احسان احمد شجاع آبادی"، "مولانا عبدالرحمان میانوی"، "مولانا عبدالحی شاہ کہروڑوی" اور دیگر علماء کرام جن کو جاننے کا میں اس وقت شعور نہیں رکھتا تھا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں شریک ہوئے۔ اس زمانہ میں کہروڑپکا سے مقام جلسہ تک کچی سڑک تھی۔ گرد و غبار بہت تھا۔ ہر طرف سے راستے خستہ اور ناہموار تھے۔ باوجود اس کے چونکہ مجلس احرار اسلام کا دور شباب تھا۔ احرار رضاکاروں کا ایک بڑا ہجوم اور شائقین و زائرین حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قرآن کریم سننے ہر طرف سے کھنچے چلے آرہے تھے۔ جلسہ ایک بڑی عید گاہ کے وسیع میدان میں تھا جو سامعین سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ علماء حضرات کی شعلہ بیانیوں سے ایک بہترین سماں نظر آرہا تھا۔ علاقہ کہروڑپکا کے بااثر سرمایہ دار امراء جلسہ میں انگریزی اقتدار کے سہارے پر شریک تھے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی جو اپنے مخصوص انداز میں یہ بیان کر رہے تھے کہ "امراء طوائفوں کے پاس قیام کرتے ہیں۔ وہ اپنی ہی اولاد کے ہاں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اس بازار کو امراء ہی جا کر رونق دیتے ہیں" اس پر راناواہن کے معروف رافضی زمیندار اللہ وسایا جوئیہ نامی نے جلسہ میں اپنے پالتو حامیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر حضرت قاضی صاحب کی سخت توہین کرتے ہوئے کہا کہ "کیا چکلے میں بیٹھنے والی تمہاری بیٹیاں ہیں"؟ قاضی صاحب نے ضابطۂ خطابت کو سنبھالتے ہوئے برجستہ کہا کہ "اگر طوائف کے ہاں میں جاتا ہوں تو میری بیٹیاں ہیں۔ اور اگر تم جاتے ہو تو تمہاری اولاد ہیں"؟ اتفاق سے اس اللہ وسایا جوئیہ رافضی نے گھر میں ایک داشتہ "کنجری" رکھی ہوئی تھی۔ اور تھا بھی علاقہ کے سرمایہ داروں کا وڈیرا۔ اس نے سب کو آواز دے کر بلایا کہ "سب لوگ جلسہ گاہ سے باہر آجائیں"؟ تو اس کے اکثر متعلقین جلسہ سے باہر آگئے۔ اور سب نے صلح و مشورہ کر کے اپنی رعایا کے لوگوں کو اس طرح بلانا شروع کیا کہ "جو ہمارے بندے ہیں سب باہر آجائیں" قاضی صاحب مرحوم نے فوراً جوابی اعلان فرمایا کہ "جو لوگ اللہ کے بندے ہیں جلسہ گاہ میں بیٹھے رہیں۔ اور جو امراء کے بندے ہیں وہ بے شک چلے جائیں" چنانچہ اس اعلان پر کوئی آدمی بھی نہ اٹھا۔ اس عظیم الشان کانفرنس میں بااثر سرمایہ داروں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ ان کے کہنے پر ان کی رعایا بھی قاضی صاحب کا خطاب چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ سٹیج پر علاقہ کے پولیس آفیسر موجود تھے۔ قاضی صاحب نے ان سے بھی رعایا کہ تحفظ کا اعلان کروایا۔ اس کے بعد وہ امراء جو جلسہ میں گڑبڑ کر رہے تھے انہوں نے حضرت امیر شریعت کی خدمت میں جا کر قاضی صاحب کا شکوہ کیا۔ اور اصرار سے کہنے لگے کہ "آئندہ جلسہ میں آپ آیا کریں، قاضی صاحب کو نہ لائیں"۔ اس پر حضرت امیر شریعت ان سے سخت ناراض ہوئے۔ اور ان کے ہاں

ضیافت کھانے سے انکار فرمایا۔

احرار کے رضا کاروں نے حسبِ معمول کھانے وغیرہ کا انتظام کیا۔ بات تیزی سے علاقہ میں پھیل گئی۔ ظہر کے بعد لوگ جمع ہوئے۔ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سٹیج پر تشریف لائے اور اپنے مخصوص خطبۂ مسنونہ کے بعد حکومتِ الٰہیہ کی تشریح کے لئے آیت کریمہ

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ازک اللہ (پ۔ ۵، ع۔ ۱۵، س۔ ۴، "النساء"، ع۔ ۱۲)

تلاوت فرمائی۔ اس وقت جلسہ کے سامعین ملک بھر کے عام تاثر کے مطابق ایسا محسوس کر رہے تھے کہ جیسے قرآن کریم اب نازل ہو رہا ہے۔ حضرت امیر شریعت نے عوام سے مخاطب ہو کر اپنے وفادار قاضی احسان احمد کی شجاعت اور بہادری کی داد دی لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ "یہاں کے مقامی لوگ مجھے کہتے ہیں کہ شاہ جی آئند آپ اکیلے آئیں۔ قاضی صاحب کو ہمراہ نہ لائیں"۔ آپ نے فرمایا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حسین آئے اور "حی" نہ آئے" اس کے بعد حضرت شاہ جی نے مثال دے کر فرمایا "اچھے صفائی کرنے والے لوگ پہلے زمین پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ بعد میں جھاڑو دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے بغیر پانی کے چھڑکاؤ کے جھاڑو دینا شروع کیا تو گرد و غبار اڑا جو میری بیٹھک تک پہنچ گیا"! سبحان اللہ! حضرت شاہ جی نے شرکاء جلسہ کو اس طرح مطمئن فرمایا اور اپنے مشن کے رفیق قاضی صاحب کی ہمت افزائی کے ساتھ ان کو نصیحت فرمائی!

۱۳۶۶ھ، ۱۹۴۷ء میں حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ "رشیدیہ" بہ مقام بستی "محبت پور" کے سہ روزہ سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ اس عظیم اجتماع میں مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حافظ اللہ وسایا نابینا ڈیرہ غازی خان، مولانا لعل حسین اختر، مولانا عبدالرحمن میانوی جیسے اکابر علماء شریک ہوئے۔ یہ جلسہ دسمبر کے سرد موسم میں تھا۔ ان ایام میں مہمانوں کے سفر کے لئے ریل گاڑی کافی ہوتی تھی۔ ریلوے اسٹیشن "آرے واہن" سے مقام جلسہ کوئی تین میل کی مسافت پر تھا۔ راقم اپنے دوسرے طالب علم ساتھیوں کے ہمراہ جلسہ کے منتظمین کی ہدایت کے مطابق تین گھوڑیاں لے کر رات کے نو بجے آرے واہن اسٹیشن سے حضرت امیر شریعت کو لینے کے لئے گیا۔ چاندنی رات اور سردی زوروں پر تھی۔ گاڑی رات کے گیارہ بجے لیٹ اسٹیشن پر پہنچی۔ حضرت شاہ جی کے ہمراہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا عبدالرحمن میانوی اور دیگر علماء کرام جن کے مجھے اس وقت نام یاد نہیں اور چودہ پندرہ رضا کار بھی تھے۔ حضرت شاہ جی نے ہم طالب علموں کو تین گھوڑیوں کے ساتھ دیکھ کر اپنے رفقاء سے ترغیب کے لہجہ میں فرمایا "خدائے پاک نے کیسے چاند کی روشنی بنائی اور ہمیں دین کی محبت و خدمت کے لئے یہاں آنے کی سعادت نصیب فرمائی میری خواہش ہے کہ اسٹیشن سے بستی محبت پور تک پیدل چلا جائے۔ اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ تو اس پر تمام رفقاء، علماء اور رضا کار اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی خوشی خوشی حضرت شاہ جی کے ہمراہ چل پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین سکڑتی جا رہی ہے۔ ان ایام میں راستے بھی ناہموار تھے۔ کھیتوں کے موڑ طے کرنے پڑتے تھے۔ حضرت امیر شریعت خدا کے ارضی و سماوی نظام کی تعریف کرتے جاتے تھے اور چاند کی

روشنی کا بار بار تذکرہ فرما رہے تھے۔ آسمان کی طرف سر اٹھا کر ہاتھوں سے چاند کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے اور "سبحان اللہ سبحان اللہ" زبان پر جاری تھا۔ ہم تین چار طالب علم اس باوقار قافلہ کے پیچھے گھوڑیوں کی لگامیں پکڑے ہوئے چل رہے تھے کہ حضرت شاہ جی مع اپنے محب رفقاء کے جن کی تعداد صحیح اندازہ نہیں پچاس ساٹھ کے قریب تھی۔ اسی حال میں دلچسپ باتیں کرتے ہوئے تین میل کا سفر طے کر کے مقام جلسہ میں پہنچ گئے۔ اس عظیم اجتماع میں انتظامیہ جلسہ کے کارکن مخلص اور سادہ رضا کار تھے۔ جن میں معروف شخصیت قاضی عبیداللہ شہید ساکن محبت پور، مولوی عاشق محمد صاحب شہید، حاجی اللہ بخش، حاجی پیر بخش مرحوم، حاجی واحد بخش مرحوم، حافظ عطاء محمد صاحب، حاجی جان محمد صاحب مرحوم ساکن رام کلی شامل تھے۔ موسم بھی دسمبر جنوری کا تھا۔ اس علاقہ میں "گوبھی" کے کھیت حضرت شاہ جی نے دیکھے تھے۔ صاحب جلسہ اور احباب کی سادگی بھی ان کے سامنے تھی۔ مہمان کثیر تعداد میں تھے۔ حضرت شاہ جی نے تمام امور کو سمجھتے ہوئے حکماً فرمایا "میں گوبھی کھاؤں گا۔ اور سب کے لئے بھی یہی پکاؤ" چنانچہ اس سہ روزہ دینی اجتماع میں شریک علماء اور کارکن سبھی نے سبزی کھائی۔ اور اس پر حضرت شاہ جی نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے "سبزی" کی جلسہ عام کے اندر تعریف فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "میں جورات اسٹیشن سے بستی تک پیدل چل کر آیا ہوں اس سے مجھے سکون محسوس ہوا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اس بستی تک پیدل چل کر آؤں گا" اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ حضرت شاہ جی کئی مرتبہ بستی محبت پور کے اس مرکزی جلسہ میں اسٹیشن سے پیدل چل کر ہی تشریف لائے۔ جلسہ والے خوشی کا اظہار کرتے۔ وہ ایسے مطمئن ہو گئے کہ آئندہ شاہ جی کا استقبال کرنے کے لئے بغیر سواریوں کے اسٹیشن پر پہنچ جاتے تھے۔ اس میں حضرت شاہ جی کا کمال دیکھیں کہ جلسہ کرانے والوں کی کیسی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کو دوسرے لوگوں سے جلسہ کے زائد اخراجات کے لئے سوال سے بھی بچا لیا۔ وہ اپنی فراست اور آداب معاشرت سے کامل واقفیت کی بناء پر اپنے داعی میزبانوں کی حالت اور حیثیت بخوبی سمجھتے تھے۔ قاضی صاحب اور مولوی عاشق محمد صاحب شہید کی اپنی ذاتی کوئی سواری نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ اتنی مالی وسعت رکھتے تھے کہ جلسہ کے شریک ضیوف کی دعوت کے لئے گوشت وغیرہ کا انتظام کریں۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت شاہ جی نے ہم طلبہ سے فرمایا کہ "چولہے پر دیگچی رکھو اور پانی گرم کرو۔ جب پانی ابل جائے تو مجھے بتانا" حضرت شاہ جی نے اپنے ہاتھوں سے پانی میں پتی ڈالی اور حسب منشاء چائے بنائی۔ اندازہ یاد آتا ہے کہ دودھ نہیں تھا۔ اس میں بھی حضرت شاہ جی نے منتظمین جلسہ کو خواہ مخواہ کے چائے کے خرچہ سے اور اپنی مرضی کے مطابق چائے سازی کے تکلف سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ مساعیٔ قبول فرمائیں۔ اور انکے بقیہ رفقاء و احباب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ خصوصاً ان کے حضرات ابناء کرام کو اپنے عظیم باپ کا سچا جانشین بنائیں۔ آمین۔

۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۱ء میں جامعہ عربیہ "خیر العلوم" خیر پور ٹامے والی کا سالانہ سہ روزہ جلسہ تھا۔ ادارہ مذکورہ میں اپنی روایات کے مطابق اب بھی عظیم الشان تبلیغی اصلاحی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس قدیم ادارہ میں

پہلے بھی ملک کے اکابر ملت تشریف لاتے رہے۔ مثلاً استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مفتی غلام قادر صاحب کے مشفق استاد تھے۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، علامہ عبدالرحمن صاحب بہاولپوری، ادیب لبیب جناب علامہ محمد ارشد صاحب بہاولپوری، مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، جالندھری شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی، حضرت مولانا عبدالرحمن میانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری ثانی مہتمم خیر المدارس، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری مناظر اسلام مولانا لعل حسین اختر، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی، مولانا محمد شریف بہاولپوری، مولانا محمد مکی، علامہ خالد محمود اور جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری وغیرہ۔

الحمد اللہ اب بھی اس مادر علمی میں ملک کے مقتدر علماء کرام بڑی توجہ اور چاہت سے تشریف لاتے ہیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ سفر کا ذریعہ ان ایام میں ریل گاڑی تھی۔ جلسہ گاہ سے قریباً دو میل ریلوے اسٹیشن "خیر پور" ریگستان میں واقع تھا۔ اسی ادارہ کی سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس میں سامعین بہت کثرت سے آئے ہوئے تھے۔ ایک روز پہلے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتظار تھا۔ ہر مقرر کے اعلان خطاب کے ساتھ سٹیج سیکرٹری شاہ جی کی آمد اور تشریف آوری کا اعلان کرتا تھا۔ ایک روز غالباً دن کے ایک بجے کے قریب حضرت مولانا عبدالرحمن میانوی شاہ جی کی پیروی میں اپنے مخصوص انداز اور لہجہ کے ساتھ مقام نبوت کے دلائل قرآنی آیات کی تلاوت کے ساتھ بیان کر رہے تھے اور سامعین حضرات خود داد دے رہے تھے کہ اچانک دوران تقریر میں کسی طالب علم نے اطلاع دی کہ "حضرت شاہ جی ریلوے اسٹیشن خیر پور پر تشریف لا چکے ہیں" بس یہ اعلان سننا تھا کہ سارا مجمع جلسہ سے اٹھ کر دوڑتا ہوا شاہ جی کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن خیر پور پہنچ گیا۔ بہاول پور سے بہاولنگر تک ریلوے سفر کی کوفت اور بے حد گرد و غبار کے تحفہ کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے کبھی یہ سفر کیا ہو۔ حضرت شاہ جی اسٹیشن پر اترے چاند جیسا خوبصورت چہرہ، گندمی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس گرد و غبار سے اٹے ہوئے حال میں تھے۔ استقبال کرنے والے اجتماع کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے سب لوگوں کے ساتھ اس شدت کی گرمی میں ریتلا سفر طے کر کے سیدھے سٹیج پر تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ اور حضرت مولانا عبدالرحمن میانوی کے خطاب میں خوب داد دینے لگے۔ اور "واہ، واہ" فرما رہے تھے۔ لوگ حیران تھے کہ شاہ جی اتنے نازک مزاج کہ جن کی خدمت و ضیافت کو امراء اور سلاطین بھی فخر سمجھتے تھے برصغیر کے بڑے بڑے دینی رہنما اور قومی لیڈر جن کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے۔ وہ حضرت شاہ جی نہ منتظمین جلسہ کے مہمان خانہ میں تشریف لے گئے اور نہ اراکین جلسہ کو ڈانٹ ڈپٹ فرمائی کہ "ہائے میں مر گیا۔ اتنے سخت سفر سے آیا ہوں" بلکہ خوشی خوشی جلسہ گاہ میں پہنچ کر اپنے رفیق جماعت حضرت میانوی صاحب جو اس وقت خطاب فرما رہے تھے ان کے خطاب میں شرکت فرما کر اپنی داد

سے سامعین جلسہ پر ان کے خطاب کا سکہ بٹھا رہے تھے۔ سبحان اللہ! ایسے سچے دین کے شیدائی اور خصوصاً ختم نبوت سے دلی محبت رکھنے اور اصاغر کو نوازنے والے اب کہاں سے آئیں گے؟

اہلِ خیر پور ٹامیوالی کے ساتھ "قلبی تعلق"

ملک کے چند خاص مقامات کی طرح خیر پور کے ساتھ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو دلی محبت تھی۔ خیر پور میں قرآن کریم کی تعلیم واشاعت کا مرکز "سبز مسجد" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے۔ اور جامعہ خیر العلوم جو تمام اکابر علماء دیو بند کی ترجمانی کا مرکز سمجھا جاتا ہے بھی یہاں واقع ہے۔ ادھر حضرت بخاری "ہمدانی شاہ صاحبان" کے خاندان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ چند معروف شخصیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب ہمدانی۔ ۲۔ سید محمد عباس علی شاہ صاحب ہمدانی۔ ۳۔ سید منظور الحسن شاہ صاحب ہمدانی شہید رحمتہ اللہ علیہم۔

حضرت شاہ جی عموماً خیر العلوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لا کر جلسہ کے بعد دو تین دن قیام فرماتے تھے۔ زیادہ دیر حضرت شاہ جی خیر پور میں محترم جناب حکیم محمد نصیر الدین قریشی کے ہاں تشریف رکھتے تھے۔ مذکورہ جلسہ کے موقع پر خیر العلوم کے منتظمین نے حضرت شاہ جی کی خدمت کے لئے دو تین طلبہ کو مقرر کیا ان میں ایک خادم بندہ راقم غلام احمد اور دوسرے مولانا غلام حسین فاضل دیو بند تھے۔ دوسرے طالب علم صاحبان کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ شاہ جی نے جب حکیم محمد نصیر الدین قریشی صاحب کے مکان میں قدم رکھا جو ماشاء اللہ خانقاہ نما ملحقہ مسجد کے صحن اور برآمدہ پر مشتمل تھا تو پہلا جملہ فرمایا "مجھے یہاں کسی ولی اللہ کی خوشبو آرہی ہے" حکیم نصیر الدین صاحب اور دوسرے رفقاء جو اس وقت موجود تھے۔ مفتی غلام قادر صاحب، جناب صاحب زادہ ریاض احمد رحمانی صاحب خیر پور کے معروف مذہبی ورکر محمودی صاحب، جناب سید عباس علی شاہ صاحب جیسے احباب موجود تھے۔ شاہ جی بڑے تعجب کے انداز میں بار بار فرما رہے تھے "یہاں مجھے کسی ولی اللہ کی خوشبو آرہی ہے"۔ تو محترم حکیم محمد نصیر الدین قریشی نے عرض کیا کہ "حضرت! یہاں مشہور صوفی اور شاعر خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے"۔ شاہ جی کی اس فراست پر تمام حضرات علماء عش عش کر اٹھے۔ ساتھ ہی شاہ جی یہ بھی فرماتے تھے کہ "میں اس لائق نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھوں"۔ شاہ جی کا انداز تواضع اور کسر نفسی، یہ موصوف کا اپنا مقام تھا۔ جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تین چار دن کی خدمت کے زمانہ میں شاہ جی نے کسی قسم کی فرمائش نہیں کی کہ "یہ لاؤ وہ لاؤ، وہ کرو، یہ کرو، میں یہ کھاؤں گا، میں اس وقت کھاؤں گا، میں نے وہاں جانا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ منتظمین جلسہ یا میزبانوں پر موجودہ دور کے نام نہاد مبلغین کے سخت پریشان کن مطالبات جیسی کوئی مصیبت نہ ڈالتے تھے۔ جس کا نتیجہ تھا کہ جب تک شاہ جی خیر پور میں تشریف رکھتے تو لوگ زیارت کے شوق میں قیام گاہ کے ارد گرد ایک مجمع کی صورت میں نظر آتے۔ شاہ جی کو لوگوں کا ایک انبوہ اسٹیشن پر الوداع کرنے کے لئے جاتا

تھا۔ اور جب حضرت شاہ جی آنکھوں سے اوجھل ہوتے تو اکثر نیک لوگ اشک بار نظر آتے تھے۔

"حضرت امیر شریعت کی نگاہ میں علماء کا مقام"

۱۳۷۲ھ، ۱۹۵۲ء میں قصبہ قائم پور ضلع بہاولپور میں "معراج النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر احرار اسلام کے زیراہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی سرپرستی اور صدارت حاصل پور اور قائم پور کی معروف شخصیت حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب فرما رہے تھے۔ سٹیج پر باوقار مذہبی رہنما اور علماء کرام اور کارکنان موجود تھے۔ حضرت شاہ جی اپنے پاکیزہ خطاب کو خطبۂ مسنونہ سے شروع فرما چکے تھے کہ سٹیج کے پیچھے مفتی غلام قادر صاحب تشریف لائے۔ شاہ جی اپنے خطاب ہی میں مفتی صاحب کو معانقہ و مصافحہ سے ملے اور قریباً پندرہ منٹ تک تمام علماء اور خصوصاً مفتی غلام قادر صاحب کی تعریف کرتے رہے۔ مفتی صاحب کے لئے فرمانے لگے کہ "دیکھو یہ مولوی مجھ سے قد میں چھوٹا ہے اور عمر میں بھی کم ہے۔ لیکن اس کا علم مجھ سے کہیں زیادہ ہے" اور کسر نفسی کی حد کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ "اگر میں کافی وقت تک علم کے حصول میں صرف کروں تو مفتی غلام قادر کے پایہ تک نہیں پہنچ سکتا"۔ اور ساتھ ہی مفتی غلاقادر صاحب کے لئے دعاء فرمائی۔ قدر افزائی کی یہ صفت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی کہ جہاں شاہ جی تشریف لے جاتے وہاں کے مقامی علماء کی عزت و شان بنا کر آتے تھے۔(۱) اور یہی سنت ہے انبیاء علیہ السلام کی۔ ہر پیغمبر تشریف لا کر پہلے اپنے سے باہم زمانہ نبی کی تعریف و تصدیق کرتا۔ جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اپنے زمانہ میں رحمت دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری دیتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد جملہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق فرماتے ہوئے امت کو تعلیم دی کہ ہم تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور سب صحف و کتب سماویہ کو سچا مانتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا۔ آمنت باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ

مولانا محمد بخش بلوچ کی قدر افزائی

۱۳۷۴ھ، ۱۹۵۴ء راقم غلام احمد نے حضرت امیر شریعت، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی جیسے اکابر اور مفتی غلام قادر صاحب جیسے مقامی علماء کرام اور روؤساء حاجی میاں پیر بخش صاحب جلہ جیسم، میاں جمال محمد صاحب ارائیں جلہ جیسم، میاں سردار محمد صاحب لگری، خورد واہل جلہ جیسم کے ایماء پر مدرسہ "خدام القرآن" جلہ جیسم کی بنیاد رکھی۔ ابتدائی ایام میں ابھی میلسی، کہروڑ پکا، ٹبہ سلطان پور جیسے قصبات میں "دارالعلوم دیو بند" کے طرز پر کوئی منظم مدرسہ اور ادارہ نہیں تھا۔ ویسے

۲۔ بہت کم لوگوں نے اس عزت افزائی کی للج رکھی و گرنہ اکثریت نے اصاغر نوازی کا غلط فائدہ اٹھایا اور دین کی خدمت کرنے کی بجائے اپنی شخصیت سازی کے مکروہ کاروبار میں مبتلا ہو گئے۔ (مدیر)

منفرد علماء کرام آس پاس کے مقامات میں موجود تھے۔ کہروڑ پکا میں حضرت مفتی عبدالرحمن صاحب تھے۔ مجلس احرار اسلام کے بہت سے قابل ذکر ورکر اور جید کارکن حاجی نور محمد چوہان مرحوم چوک بخاری مسجد تالاب والی موجود تھے۔ "ویرسی واہن میں" مولانا شرف الدین صاحب، صوفی نور محمد مستری، "رائے واہن" میں حضرت صوفی احمد یار صاحب بزرگ تھے۔ لگری کلاں میں مولانا عبدالغفار صاحب، محبت پور میں مولانا عاشق محمد صاحب، "ملکو بستی" میں مولانا غلام نبی صاحب، بستی "چک بسی" میں مولانا عطاء محمد صاحب، میلسی شہر میں حضرت مولانا محمد بخش صاحب بلوچ جو چالیس سال سے مسجد مائی والی میں اپنے انفرادی مدرسہ میں بہت سے طلباء کو تعلیم دے رہے تھے۔ مولانا محمد بخش (مرحوم) کے مدرسہ مسجد مائی والی میں ۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۷ء کے دوران مولانا فیض احمد صاحب مہتمم مکتبہ امدادیہ ملتان مفتی کلیم اللہ صاحب مہتمم تعلیم القرآن میلسی مولانا غلام سرور مرحوم استاذ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی، تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس عالم با عمل مولانا محمد بخش صاحب بلوچ سے حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بہت محبت فرماتے تھے۔

مولانا موصوف ۱۳۷۵ھ، ۱۹۵۵ء میں بیمار ہوئے۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا تو شاہ جی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود خود فالج اور شوگر وغیرہ کے امراض سے سخت ضعف اور چالیس سالہ دینی و قومی خدمات سے لاحق تھکاوٹ کے باوجود حکیم حافظ محمد حنیف اللہ صاحب کو دو مرتبہ ملتان سے میلسی لائے اور سب مصارف علاج معالجہ خود برداشت کئے۔ علاقہ میلسی کے اطراف کی تمام مذہبی شخصیات نے بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ شاہ جی ایک غریب اور سادہ، درویش منش عالم دین کی عیادت کے لئے باوجود اپنی بیماری کے تشریف لائے اور مولانا مرحوم کی سرپرستی فرمائی۔ جو مولانا محمد بخش صاحب کی سعادت تھی۔ حضرت مولانا محمد بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راقم "غلام احمد" کو اپنی بیماری کے ایام میں مسجد مائی والی اور مدرسہ کی خدمت بحیثیت "نائب و قائم مقام" ہونے کے سپرد فرمائی۔ اور مسجد میں جمعہ کے دن بوجہ بیماری و کمزوری چارپائی پر لیٹ کر مقتدیوں کو وصیت فرمائی کہ "مولوی غلام احمد میرا روحانی بیٹا ہے۔ اور اطاعت گزار ہے۔ اس کو میں اپنی جگہ مسجد اور مدرسہ کی نیابت سپرد کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ تعاون کرنا"۔

انہیں ایام میں مولانا کی بیماری اور علاج کے سلسلہ میں حضرت شاہ جی کی خدمت میں مولانا مرحوم کی رفتار صحت کی اطلاع دینے کے لئے ملتان اُن کے مکان پر حاضر ہوا۔ حضرت شاہ جی نے مجھ سے مولانا محمد بخش صاحب کی صحت کے بارہ میں معلوم فرمایا۔ میں نے واقعہ کے مطابق قدرے صحت و تندرستی کی اطلاع دی۔ خیریت سنتے ہی بہت خوش ہوئے۔ والہانہ محبت کے انداز میں فرمانے لگے "معلوم نہیں کہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے؟ میں جو مولانا محمد بخش کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے دل سے نہیں نکلتے۔ اس لئے کہ وہ "بڑے عالم" ہیں اور میں علماء کا قدردان ہوں"! اس دوران راقم نے عرض کیا۔ "حضرت آپ کا مکان کرایہ پر ہے۔ آپ نے اپنا کوئی مکان الاٹ نہیں کرایا۔" اس پر شاہ جی نے ارشاد فرمایا۔ "بیٹا! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود دار ہوں۔ سیّد ہوں، اکابر علماء دیوبند کا خادم ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں کسی سے سوال کروں" مزید فرمایا "بیٹا! آپ مولوی ہیں۔ میں اگر آپ کو خط لکھوں تو آخر میں لکھ سکتا ہوں "فدوی عطاء اللہ" مگر کسی ڈپٹی

کمشنر اور وزیر کو یہ لکھوں کہ "میری درخواست ہے۔ میں "فدوی عطاء اللہ ہوں "میری غیرت برداشت نہیں کر سکتی"۔ حضرت شاہ جی ایسے زاہد، عابد، مجاہد، سچے عالم دین، محافظ، ختم نبوت جن کی صفات کریمہ سے برصغیر کے تمام علماء کرام بخوبی واقف ہیں۔ میں کیا ہوں اور ان کے لئے کیا لکھ سکتا ہوں؟ اپنے آپ کو خود جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائیں۔ (آمین) "غریب کی بے مثال ہمت افزائی" حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم قریبی احباب اور بعد والے متعارفین جانتے ہیں کہ شاہ جی بڑے بڑے سرمایہ داروں کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ مگر اپنے غریب اور سادہ محبین سے مختصر ہدیہ بھی بخوشی قبول فرمالیتے تھے۔ چنانچہ جلہ جیم کے ایک سادہ منش امام مسجد مولوی "محمد یعقوب" نامی جو تاحال حیات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "حضرت شاہ جی نے مجھ سے ایک چونی کا ہدیہ قبول فرمالیا۔ اور اس کو آنکھوں پر رکھ لیا تھا" اس طرح کے کئی واقعات حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سیرت نگاروں نے لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔!

زندگی

جدوجہد سے عبارت ہے۔ اسے ہم روح کا لباس بھی کہہ سکتے ہیں۔

انسان

لباس کے معاملہ میں مجاز ہے۔ اُجلا رکھے یا میلا کر دے۔

برائی بہرحال برائی ہے۔ جو انسان دوسرے کا بُرا چاہتا ہے وہ گویا اپنے یا اپنی اولاد کے لئے بدی کاشت کرتا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری
دفترِ احرار لاہور
دسمبر ۱۹۴۳ء